© rasailojaraid.com

ڈاکٹر بشارت علی

سیّد احمد شہید کی تحریک

ثقافتی و عمرانی پہلو پر ایک نظر

حضرت سید احمد شہید اور ان کی تحریک اصلاح و جہاد پر بہت لکھا گیا ہے۔ اس کی اصلاحی خدمات، اس کے مجاہدانہ کارنامے، ادبیات، مذہبی اور اصلاحی تحریکیں اور عملی تحریکات، سیاسیات سماجی افکار پر اس کے اثرات، ہندوستان کی تاریخ کے ایک اہم واقعے کی حیثیت سے اس کے مجموعی جائزے اور اس تحریک سے وابستہ شخصیات کی ہمہ جہت علمی، ادبی، دینی، فکری، سیاسی خدمات اور کارناموں پر الگ الگ مقالوں، رسالوں، کتابوں کی صورت میں اتنا لکھا گیا ہے کہ شاید ہی برعظیم پاک و ہند کی دوسری تحریک پر لکھا گیا ہو۔

ولی اللّٰہی تحریک اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فلسفہ عمرانیات پر بھی اہل علم و اصحاب قلم کی توجہ سے محروم نہیں رہا۔ لیکن تحریک اصلاح و جہاد پر جو ولی اللّٰہی تحریک کے ایک اصلاحی و عملی اقدام کا دور ہے۔ ڈاکٹر بشارت علی صاحب کے مقالے کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ ولی اللّٰہی تحریک کے زیر بحث دور (عہد سید احمد شہید) پر عمرانی نقطۂ نظر سے غور و فکر اور بحث و نظر کی بہت گنجائش ہے۔

مجھے یقین ہے کہ قارئین الولی اس مقالے کو پسند فرمائیں گے اور اصحاب علم و نظر اور اہلِ قلم اس تحریک کے مختلف پہلوؤں پر عمرانی نقطۂ نظر سے اپنے مطالعہ و تحقیق کے حاصلات سے قارئین الولی کو استفادے کا موقع دیں گے۔

(ڈاکٹر) ابوسلمان شاہجہاں پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمۃ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھے جانے کے مزید امکانات ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلامی نظامِ معنی، یعنی قرآن کے حامل اور اس کی اساس پر معاشرے کے ڈھالنے اور پھر اس نظامِ معنی کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا فریضہ بحیثیت نظامِ اشخاص کے انجام دیا ہے۔ نظامِ معنی اور نظامِ اشخاص کا تسلسل اور ارتباطِ ملّی ثقافت کے تسلسل کے لئے ضروری ہے۔

ثقافتی نظام میں نظامِ اشخاص کی اہمیت زمانی و مکانی عوامل کا پابند نہیں۔ ماضی کی گزری ہوئی، حالیہ اور آنے والی شخصیتیں نظامِ اشخاص کے تسلسلِ کلی کا ایک جزِ لاینفک ہیں۔ بنا بریں نظامِ معنی اور ثقافت کی اہمیت کو قرار واقعی سمجھنے اور بہترین معاشرے اور ثقافت کی صورت گری کے لئے ضروری ہے کہ ماضی کی ایسی شخصیتوں کی یاد کو تازہ و پائندہ کیا جائے کہ ثقافتی مسلمات اور عوامل کا رشتہ ماضی سے منقطع نہ ہونے پائے۔

نظامِ اشخاص کی قدر و معنویت کا اندازہ کرنے کے لئے اس پر توجہ کا مبذول کرنا ضروری ہے کہ کس حد تک وہ اپنے افکار و عزائم میں کامیاب و ناکام ہوئے۔ انجام پر نظر کرکے اس چیز کو معنویات اور فلسفۂ عمرانیات کے نقطۂ نظر سے غور کرنا درکار ہے کہ اس مقام کی اساس پر کس حد تک وہ خود [illegible] اور کس حد تک انھوں نے نظامہائے ثقافت اور علم کی آبیاری کی ہے۔ نتائج پر غور کرنا اور اس پر [illegible] کرنا فلسفۂ علت و معلول کے نقطۂ نظر سے بھی غلط ہے۔ معاشرتی اور ثقافتی زندگی میں نظامِ معنی کی [illegible] حیثیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ثقافت اور ثقافتی نظاموں اور ان سب کا انحصار اگر نظامِ معنی پر ہے تو اس توافق کلی اور تسلسل قطعی کے ساتھ جو نظام ان کا حامل اور انھیں منتقل کرنے کا رول ادا کرتا ہے۔ نظامِ اشخاص کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے اور ادا کیا جانا چاہیئے اور ادا ہوگا یہ علی الترتیب بجائے خود مسلمہ امور ہیں بنا بریں مجھے اس سے سروکار نہیں کہ حضرت سید احمد شہید اپنی تحریک میں کس حد تک کامیاب اور ناکام ہوئے۔

حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ سید صاحب نے اپنی تحریک کو اس مقصد سے چلایا تھا کہ اسلام کا احیاء ہو۔ یہ کہنا تو غلط ہوگا کہ اس دور کا اسلامی معاشرہ نا مسلمان ہو گیا تھا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ اسلامی قدور سے مسلمان بڑی تیزی سے ناآشنا ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اسلام ایک مذہبی عقیدہ بن کر رہ گیا تھا۔ اوّلاً یہ کہ اسلام کا مجرداً مذہب قرار دیا جانا سب سے بڑی غلطی ہے کیونکہ اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے جس کو دورِ جدید کی عمرانیات کی زبان میں ایک ہمہ گیر کلچر کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ جس میں مذہب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے کر لحد تک کی زندگی کے بارے میں مضمنات، اعمال و ارادے شامل ہیں اور پھر یہ سلسلہ لحد پر پہنچ کر ختم نہیں ہوجاتا۔ اس میں حیات بعد ممات کے وہ امور بھی شامل ہیں جنھیں فلسفہ کی زبان میں مابعد الطبعیات اور روحانیات و مذہبیات کی زبان میں علی الترتیب الہٰیات اور معادیات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرآنی عمرانیات کے افکار کا یہ پہلو اپنی جگہ نادر النظیر رہے گا۔ اس نے انسان کی عمرانی حیثیت کے واضح کرنے میں اپنے جادۂ فکر کو صرف اس دنیا کی حد تک محدود نہیں کر دیا بلکہ جزاء و سزا، دوزخ و جنت، حیات بعد الموت، حور و غلمان وغیرہ اہم مسائل کو بھی عمرانی نقطۂ نظر سے بیان کیا ہے۔ بلاشبہ فرد اپنے افعال و اعمال، افکار و کردار کا ذمہ دار ہے لیکن انفرادی حیثیت کے ساتھ سزا و جزا کے تعین میں قرآنی فرد کی عمرانی حیثیت کو نظر انداز نہیں کرتا۔

انسان کے متعلق قرآنی نظریہ یہ ہے کہ وہ فطرتاً معاشرتی اور نیک ہے۔ اس کی ان کیفیات و احوال میں معاشرتی و ثقافتی موثرات جو نظام معنی سے بے تعلق ہو گئے ہوں تبدیلی پیدا کر کے اس کو فتور اور گمراہی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اس لیے فرد کے ساتھ معاشرے یا کم از کم اس طبقہ پر ذمہ داری عائد ہونی چاہیے جس نے فرد کو پیدا کیا ہے اور اس کی شخصیت کی تعمیر کی ہے جن معاشرتی و ثقافتی احوال میں اس قسم کا فرد پرورش پاکر انفرادیت اور شخصیت حاصل کرتا ہے۔ وہ چونکہ خراب تھے اس لیے خرابی کا اثر فرد پر بھی مرتب ہو کر اس کی بربادی کا موجب ہوا ہے۔ اس لئے فرد کے اعمالِ شنیعہ کی ذمہ داری اس کے ساتھ معاشرے پر بھی عائد ہونی چاہیے۔ بنا بر آں قرآنی عمرانیات ہر موقع پر فرد سے مخاطب ہونے کے بجائے فرد سے مخاطب ہے، معاشرے اور ثقافت کا دار و مدار اگر نظام معنی پر ہے تو معاشرہ ثقافت اور نظام معنی بغیر جہد پیہم کے ایک آن بھی پنپ نہیں سکتے۔

حضرت سید احمد شہید کی تحریک کا شاندار عمرانی پہلو یہ ہے کہ انھوں نے احیاء دین کی کوشش کی بلکہ دین کو باقی رکھنے اور اس کو ہر آن آگے بڑھانے کے لیے جس موثر [illegible] کی ضرورت ہے اس کا بھی احیاء کیا۔ یہ موثر جہاد ہے۔ فکر و نظر ہی کی حیثیت سے اس موثر کا سید صاحب نے احیا نہیں کیا بلکہ اس پر عامل ہو کر اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا کہ اسلامی نظام ثقافت یا دین کا فردی سے فردی پہلو بھی عمل سے خالی نہیں اسلامی نظام ثقافت کی حیثیت نظریہ کی نہیں عمل کی ہے۔ اسلامی ثقافتی نظام اور دین عمل کی قوت کو کھو کر بے معنی ہی نہیں بلکہ افسردہ اور مردہ ہو جاتے ہیں۔ عمل خود اپنی ظاہری اور معنوی کیفیات میں جہاد کا آئینہ دار ہے اس لئے زندگی سے تعلق کلی پیدا کرنے کے لیے جہاد پیہم ضرور ہے۔ ثقافت و معاشرت میں زمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومکانی موثرات و تقاضے اور نت نئے احوال تبدیلیاں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان تبدیلیوں میں باقی رہنے کے لیے موافقت ضروری ہے۔ موافقت اور پھر ایسی موافقت جو نظام معنی اور مزاج کی عصبیت کو باقی رکھ سکے جہاد کی داعی ہے۔

مسلمانوں کی گمراہی، بربادی کی وجہ دین اور جہاد سے بے تعلقی کے ساتھ ساتھ بے عملی میں پوشیدہ ہے۔ جہاد اگر جزوِ ایمان ہے تو اس کو نظرانداز کر کے ایک قوم کیسے ممتاز و سربلند ہو سکتی ہے۔ جہاد، ثقافت و معاشرت کی جان ہی نہیں بلکہ زندگی کی سادہ حقیقت بھی ہے۔ جینے اور تمکن فی الارض کی طلبگار قوم کو مرنے کی بھی تعلیم ملنی چاہیے۔ اس لیے دین کی تعلیم کا جزو لاینفک یہ ہے کہ مسلمان کو جہاد کا بھی سبق ہر دور میں پڑھایا جانا چاہیئے اور اس کو عملاً مرنے پر بھی جری بنایا جائے۔ سید صاحب کی تحریک کا عمرانی فلسفہ یہی تھا کہ مسلم قوم کو ہر بات پھر سے سکھائے اور اس پر عمل کیا جائے کہ وہ اغیار کے مقابل یہ کہہ سکیں کہ جاؤ تم کو تمہاری زندگی پیاری ہے اور ہم کو ہماری موت پیاری ہے۔

اسلام کی تحریک ایک جاوداں تحریک ہے جو زمان و مکان کے قیود و حدود سے آزاد ہے۔ یہ تحریک جب بھی اٹھے گی اس کے لئے احیائے دین اور احیائے جہاد کی ضرورت ہو گی۔ یہ تحریک مٹ نہیں سکتی، شمع کی طرح کشتہ ہو کر بھڑکتی ہے اور دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے جو تحریک اور جماعت بھی اِن مقاصد کے لئے اٹھائی جائے، اس کی شرطِ اولیں یہ ہو گی کہ جماعت اور تحریک دونوں کے دونوں عملیت، روحانیت اور للہیت سے مالامال ہوں، انھیں چیزوں کا آج فقدان ہے، لیکن ہر دور اور ہر دور کے مسلم انسان کی رہبری کے لیے جو دائمی نظام معنی کا سرمایہ بہ دست وموجود ہے۔ اس کی وجہ سے ناامیدی ضعفِ ایمان کی دلیل ہے۔ یہ سرمایہ کیا ہے؟ قرآن و حدیث اور ایسے انسان جو قرآن و حدیث کے صحیفۂ ناطق ہیں سید صاحب بھی منجملہ اور بزرگوں کے اسی میں شامل ہیں۔

ایک طرف قدیم ہندوستانی تہذیب اور اس کے معتقدات کی طویل سیہ کاریں اور پھر اکبر کے کفر و الحاد کی وجہ سے جو ناقابل تلافی نقصان ملتِ اسلامی کو پہنچا، اس کے خلاف حضرت شیخ احمد سرہندی نے آواز بلند کی۔ سرہند کے اس فاروقی مجدد کی آواز نے دلی کے ایک فاروقی خاندان کو گرما دیا۔ یہ شاہ عبدالرحیم دہلوی تھے۔ ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ ہوئے جن کو ملت نے حکیم الامت کا خطاب دیا۔ تیرھویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی اور دوسری طرف ان میں غیر اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسوم و بدعات کا زور تھا۔ مولانا اسمٰعیل شہید اور حضرت سید احمد کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی۔

مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کے فضل و کمال و مجاہدہ و حال کے دو آتشہ سے رائے بریلی کے رُوحانی خم کدہ میں ایک اور سہ آتشہ تیار ہوا۔ یہ سادات حسنی کا خاندان تھا۔ جس میں مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کا فیض آ کر مل گیا ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

یہ وہ وقت تھا جب سارے پنجاب میں سکھوں اور باقی ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ یہ دونوں طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے لیئے جو مظالم توڑ رہے تھے وہ تاریخ انسانی کا ایک باب ہے مولانا اسمٰعیل شہید اور حضرت سید احمد نے اسلام کا علم اٹھایا اور مسلمانوں کو جہاد کی تعلیم دی۔ تحریک کی ناکامی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس کے موردِ الزام، اس کے بانی نہیں بلکہ خود قوم سے جو اپنی بے راہ روی اور قدر و معنی سے آراستہ نہ ہونے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ جہاں تک تحریک سے عمرانی موثرات کا تعلق ہے، اگر تحریک کے عمرانیاتی اصول کے نقطۂ نظر سے لیا جائے تو اس کے ہر بُن مو سے کسی غلطی کا اظہار نہ ہوگا۔ للّٰہیت، خلوص، اتحاد، نظم و تدبیر کے عوامل پر یہ تحریک اٹھائی گئی تھی۔

کسی قوم کے معاشرتی احوال میں تبدیلی پیدا نہیں کی جاسکتی جبتک کہ اس کو سیاسی اور علمی حیثیت سے غالب نہ کیا جائے۔ سید صاحب نے اسی نظریہ پر اپنی تحریک کی صورت گری کی تھی۔ اسلام زندگی کا نظام ہے وہ زمانہ کی رُوح میں فنا نہیں ہونا چاہتا، وہ زمانے کو سمجھنا، زمانے اور زمانے کی رُوح کو بدل دینا چاہتا ہے وہ طبیعت بشری کا مذاق اور سوادِ اعظم کا رنگ بدلنا چاہتا ہے۔ عقائد کے ساتھ جو اسلامی ثقافتی نظامِ معنی کا جزوِ لاینفک ہیں، اخلاق و معاشرت، زندگی کے مقصد و معیار، تصورِ کائنات (Weltanschauung) زاویۂ نظر اور انسانی ذہنیت بالخصوص ثقافتی ذہنیت (cultural mentality) کو بھی اپنے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کو قرآن، شرح صدر، اور صبغۃ اللہ کی جامع اصطلاحوں میں ادا کرتا ہے جن کا دورِ جدید کی عمرانیاتی اصطلاحی زبان میں کوئی متبادل موجود نہیں ہے۔ یہ اصطلاحیں قرآنی عمرانیات کی خصوصی شارح عمرانیات مابعد الطبعیات سے متعلق ہیں جس کا دورِ جدید کے نظامہائے علوم میں کہیں وجود نہیں۔ سید صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا خیال تھا کہ یہ اُسی وقت ہے جبکہ اسلام کو بحیثیت نظام معاشرت و ثقافت مادی و سیاسی اقتدار حاصل ہو۔ صرف اسلام کو قانون سازی اور تنقید و احتساب کا حق حاصل ہو۔ اسلام سے مادی اقتدار کا لازمی نتیجہ اس کا روحانی اقتدار اور صاحب اقتدار جماعت کے اخلاق و اعمال کی اشاعت ہے متذکرہ امور کے متعلق قرآنی عمرانیات کا یہ معنوی نظریہ قابل غور ہے؟

" (یہ مظلوم مسلمان) وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین پر انھیں صاحب اقتدار کر دیا تو وہ نماز کو قائم کریںگے زکوٰۃ کے ادا کرنے میں سرگرم ہوں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے، برائیاں روکیں گے اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔" (سورۃ الحج)

خدا ہی اسلام کے نقطۂ نظر سے نظام معنی کا مقصد و منشا ہے۔ معاشرتی و ثقافتی، انفرادی اور اداراتی زندگی میں نظام معنی پر گامزن اور عامل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خدا پر ایمان لایا جائے اور اس سے ڈرا جائے اور توحید کے عقیدے کو عملاً زندگی پر غالب و موثر کر کے زندگی میں وحدت کلی پیدا کی جائے۔ ڈائینل بائٹنے برگ اپنی کتاب تمدن اسلام میں اسلامی تہذیب کے عروج کے اسباب و عوامل سے بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس کے دو ہی سبب تھے۔

(۱) خوف خدا

(۲) موت سے بے خوفی

شرعی حکومت کے بغیر شریعت پر عمل محالات سے ہے۔ اسلام کا مستقبل نظام حکومت پر موقوف ہے۔ بغیر حکومت کے قرآن مجید کا بڑا حصہ ناقابل عمل رہ جاتا ہے۔ خود اسلام کی حفاظت بھی بغیر قوت اور جہاد کے ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد اسلام کے فرائض و معتقدات کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اس پر ایمان نہ ہو تو شاید مسلمان، مسلمان نہ رہ سکیں۔

قرآنی عمرانیات کا یہ معنوی نظریہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ قدم قدم پر مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ غلبہ و عزت حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ "خلافت" اسلام میں بہت اہم مقدس چیز سمجھی گئی ہے اور اس کو اکابر صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین پر مقدم کیا اس کی حفاظت کے لیے حضرت حسین رضؓ نے اپنی قربانی پیش کی تاکہ اس کا مقصد ضائع نہ ہو اور وہ نااہل حالتوں میں جانے نہ پائے۔

قرآن پاک میں امر و نہی کی جو ہمہ جہتی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ان میں اقتدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وتحکم کی شان ہے "تغیر بالید" کے لیے قوت واختیار کی ضرورت ہے۔ زبان سے بھی روکنے کے لیے کچھ قوت اور آزادی درکار ہے۔ اگر یہ کچھ نہیں تو خاموشی پر قناعت کرنی پڑے گی۔ یہ ایمان کا آخری درجہ ہے اور جس کے بعد محض روایات کے مطابق ایک ذرہ برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا۔

سید صاحب کی عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اللہ کی خوشنودی کی خاطر اسلامی نظام کو پھر ایک مرتبہ اپنی ساری حشمت وجلالت اور قدر و معنویت کے ساتھ قائم کرنے کے لیے اپنے خون کا پہلا اور آخری قطرہ بہا یا۔ چونکہ سید صاحب کی تحریک قدر و معنویت کے ساتھ ان کے اپنے خلوص پر مبنی تھی۔ اس لئے انھوں نے تھوڑے ہی ایک دینی فضاء پیدا کر دی اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو بقول سید ابوالحسن ندوی صاحب سیرت سید احمد شہید تیرھویں صدی میں صحابہ کا نمونہ تھی، ایک رنگ میں رنگے ہوئے، ایک سانچہ میں ڈھلے ہوئے، اللہ کے لئے جان دینے والے، شریعت پر جینے اور مرنے والے، بدعت سے نفور، شرک سے دشمن، جہاد کے نشہ میں سرشار، متقی اور عبادت گذار، دوسری بات یہ ہے کہ ہم رنگ و یک آہنگ، تاریخ اسلام میں ایک جگہ اس سے بڑی تعداد میں اس یکجہتی اور جامعیت کی کوئی جماعت صحابہ و تابعین کے بعد مشکل سے ملے گی (ص۱۷) ندوی صاحب کے اس حوالے کے بعد امور سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ہمیں محاکمہ و تنقید مقصود نہیں۔

بلاشبہ اسلام ایک تحریک اور اصول کا نام ہے اس کو چلانے اور آگے بڑھانے کے لئے ایک خاص قسم کے اعتقادی، ذہنی، اخلاقی تربیت اور انقلاب کی ضرورت ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ یہ تحریک ایثار و قربانی کے بغیر وجود میں آسکتی ہے اور نہ ہی آگے بڑھ سکتی ہے اور ترقی کرسکتی ہے۔ اس تحریک کے چلانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اور اس کے حامی قدیم وجدید تمام مخالف موثرات، ماحول اور مخالف ذہنی تربیت کے مسموم اثرات سے پاک ہوں۔ اسلام کے عمرانی فلسفہ کی تمام حقیقت زمان و مکان کی عمرانی حقیقتوں سے کامل آگاہی کے ساتھ، مزاج عقلی، نظامہائے اخلاق و معنی کے برگشتہ کرنے والے مواقع پر انقلاب برپا کرنے صلاحیت میں پوشیدہ ہے۔ اسلام انقلاب کا نام ہے اور اگر اسلام شکن ماحول کے مقابل جنگ و انقلاب برپا نہ کیا جائے تو قوم گستہ و مردہ ہو جاتی ہے۔ اسلام کے خلاف جو طاقتیں اٹھتی ہیں ان میں بیرونی حملے سے زیادہ اسلامی معاشرے کے اپنے داخلی خطرات و مضرات ہیں احتساب کے اٹھ جانے، ہر قسم کی آزادی اور سامان عیش و دولت کی فراوانی یا اس کے طلب کی ہوس بڑھ جائے تو قدر و معنویت کا غلبہ سر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑ جاتا ہے اور نتیجۃً سخت اخلاقی ابتری پیدا ہو جاتی ہے۔ فواحش و منکرات عام ہو جاتے ہیں۔ شراب کا دور چلنے لگتا ہے، معصیت کی وہ تمام قسمیں رائج ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے ملل سابقہ پر عذاب آیا تھا۔ علماء کی ادارائی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ ان کی آواز منبروں اور درس کے حلقوں تک مشائخ کرام کی اصلاح و تزکیہ کی کوششیں خانقاہوں تک محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اسلامی نظامِ فکر میں علماء کی حیثیت ادارے کی سی ہے ان کا غلبہ زندگی کے ہر جزو و کل پر ہونا چاہیئے لیکن دورِ ہبوط و زوال میں یہ حیثیت باقی نہیں۔ اسی لئے علماء کی طرف سے احتساب کا رول ادا کیا جانا چاہیے وہ ختم ہو جاتا ہے اسی طرح قوم کو بے راہ روی کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔ قرآنی عمرانیات ان حقائق کو تسلیم کرتی ہے۔ اِس کا استدلال ہے کہ ہر معاشرے کو اپنی صحت کے برقرار رکھنے کے لئے ہر دم مصروفِ عمل رہنا چاہیے۔ مکمل معاشرہ کبھی بھی وجود میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ انسان مکمل نہیں۔ تکمیل کی منزل تو بہت دور ہے۔ صحت و بیماری کی حالتیں معاشرے کے لئے ضروری ہیں تو تکمیل سے پہلے بیماری سے نجات پانے اور حالتِ صحت میں منازلِ عمری طے کرنے کی ضرورت ہے کہ معاشرے خطرناک بیماری کے مواقع پر انقلاب کے لئے اسی طرح تیار رہے جس طرح اجسام نامیہ، مخالفتوں کی مدافعتوں کے لئے تیار رہتے ہیں۔ زمانی و مکانی تغیرات، بیرونی عوامل و حادثات اور پھر غیر قوموں کے حملے تسلط اور غلبہ پانے کے دلولے معاشرے کے نظام میں ابتری پیدا کرتے ہیں اس لئے بیرونی خطرات سے مقابلہ کے لیے اسلام جہاد اور داخلی مضرات سے نجات حاصل کرنے کے لیے انقلاب کی دعوت دیتا ہے۔ انقلاب و جہاد کی قدر و معنویت اور اسلامی نظام معنی سے مالا مال ہونا ضروری ہے۔ ورنہ انقلاب اور جنگ دونوں کے دونوں معاشرے کی ہلاکت کا موجب بن جائیں گے۔

اسلامی حکومتیں ہمیشہ اسلامی اساس پر ڈھالنے کے لئے مذہبی تعلیم و تربیت کا اہتمام خود کیا کرتی ہیں محکمہ احتساب اسی شعبہ کا ایک وظیفہ ہے۔ چونکہ مذہبی تعلیم کا ایک جزو عسکری تربیت بھی ہے اس لیے اس پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ جب سے یہ دونوں سلسلے ختم ہو گئے مسلمانوں میں ضعف پیدا ہونے لگا۔ جلیل القدر حکمران مثلاً صلاح الدین، عالمگیر علیہ الرحمۃ وغیرہم نے جہاں احیائے دین کی بے حد و حساب خدمت کی ہے وہیں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے "اسلامی جہاد" کو زندہ کیا۔ سیاست جو مسلمانوں کی اسلام سے بے بصری کے نتیجے کے طور پر دین سے متعلق نہیں رہی تھی اس کو پھر سے جوڑا اور یوں سیاسی زوال کے منجملہ اسباب میں ایک سبب دین و سیاست کی علیحدگی پر سیاسی زوال کے ساتھ مذہب و اخلاق، معاشرت و ثقافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور علم حکمت اور بالخصوص سائنٹیفک اور تحقیقی اسپرٹ کا بھی خاتمہ ہوتا گیا۔ یہی سائنٹیفک اسپرٹ بقول بیری فالٹ مسلمانوں کا وہ ورثہ اور عطیہ ہے جو یورپ کو ملا ہے اور اسی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا کر فضائے بسیط کی تسخیر کے لئے وہ جادہ پیما ہے ۔

یہ پاک و ہند کے مسلمانوں کی بڑی بدبختی ہے کہ یہاں اسلام چکر کاٹ کر پہنچا۔ اسی طرح اس کی تازگی اور زندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس پر مستزاد ہندو تہذیب اور معتقدات نے اس کی رہی سہی حالت کو بھی بگاڑ دیا۔ اس زہر کا تریاق اور اسلام کی اصل شکل کے محفوظ رکھنے کے لیے دو چیزیں ہیں، ایک قرآن اور دوسرے حدیث انہی دو کی بنیادوں پر اسلام کو زندہ کرنے میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ اور حضرت شاہ ولی اللہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ جن کی مساعی کا آغاز ان بزرگوں نے کیا تھا۔ اس کی عملی تعمیر پاکستان کی زندہ جاوید کی صورت میں ہم میں موجود ہے۔ دور جدید کے شہرہ آفاق امریکی عمرانی پروفیسر اسمال نے ایک عمرانی قانون کا ذکر کیا ہے جو طبعیات کا بھی مسلمہ قانون ہے وہ کہتا ہے کہ توانائی ایک جگہ جمع ہوتی ہے اور قوت حاصل کرتی ہے۔ اس مرحلے کی تکمیل کے بعد وہ اس حد تک پھیلتی ہے جس حد تک اس کو پھیلنے کی قوت وصلاحیت حاصل ہے۔ پھیلنے کے بعد جب اس میں ضعف ہوتا ہے تو پھر وہ اپنے مصدر کی طرف جس کا اصطلاحی نام معاکسہ ہے رجوع کرتی ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ پھر قوت حاصل کرتی ہے اور پھیلتی ہے۔ یہ عمل پیہم اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ توانائی کا کلیۃً خاتمہ نہ ہو جائے۔ یہی قانون ان قوموں اور معاشروں میں بھی کارفرما ہے جو قدر و معنویت اور دائمی حقیقتوں کی اساس پر وجود میں آئے ہیں۔ یہ قانون کسی اور معاشرے کے لیے صحیح ہو یا نہ ہو لیکن پاکستان کے لیے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ پاکستان کے حالیہ حدود میں اسلام کی اولین ریاست کی بنیاد محمد بن قاسم نے ڈالی۔ یہیں اسلامی سلطنت قوت و توانائی حاصل کر کے راس کماری تک پہنچ گئی۔ اور جب اس کی توانائی میں تدریجی طور پر کمزوری پیدا ہونے لگی تو سکڑ کر اولاً شمالی ہند میں اور آخر کار ٹھیک اسی مقام میں مرتکز ہو گئی ہے۔ جہاں سے اس کا صدور و ظہور ہوا تھا۔ اگر بقائے قوت عمرانی اور ارتحالہ قوت عمرانی کا قانون صحیح ہے تو پھر پاکستان کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قوت کا نکتہ معاکسہ پر جمع ہونے کے بعد پھیلنا ضروری ہے ۔

جس عمرانی قانون کا اسمال نے تفصیل سے ذکر کیا ہے اسی قانون کو قرآن نے بھی سادہ و بلیغ الفاظ میں یوں ادا کیا ہے "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان کے وجود میں لانے والے موثرات میں متذکرہ حقائق اور حضرت سید احمد اور سید اسمٰعیل کی عملی مساعی کو نظرانداز نہ کرنا چاہیئے۔ جس طرح حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے زمانے میں قرآن چیستان بنا ہوا تھا اور جس طرح قرآن کی وجودی حیثیت سے ہٹ کر معاشرے کی صورت گری ہو رہی تھی وہی حال آج بھی ہے ضرورت ہے کہ مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور حضرت سید احمد شہید جیسے عملی کارکن اور مجاہد آج بھی پیدا ہوں۔ یہ بات کا شانۂ دل میں محفوظ رہے کہ کوئی تحریک عملاً چل نہیں سکتی جب تک اس کے بنیادِ نظامِ معنی کے دوش بدوش علم و تعلیم پر نہ رکھی گئی ہو۔ سید صاحب کے خاندان کے بہت سے بزرگوں نے حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کے صاحبزادوں سے ظاہری و باطنی استفادہ کیا تھا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اسلامی تحریک کا جو خاکہ اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے اس سے فائدہ حاصل کر کے حضرت سید صاحب نے اپنی تحریک کا آغاز کیا اور اُس کو حدِ کمال تک پہنچایا۔

سیّد صاحب کا میرے نزدیک عمرانیات، فلسفۂ تمدن اور عروج و زوال امم کے نقطۂ نظر سے سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فراستِ ایمانی اور تفقہ دینی کے علاوہ تجربہ اور مشاہدہ سے بخوبی سمجھ لیا تھا اور آنے والی نسلوں کو بھی پیغام دیا کہ اسلام کو ہر دور میں قوت کی ضرورت ہے۔ یہ ہے اجمال ان کے فلسفۂ عمرانی کا عام بیدینی، کفر و جہل کا غلبہ۔ شرک و بدعت کا استیلا، شریعت کا اضمحلال و زوال۔ اسلام کی بیکسی، اہل علم و دین کی غربت، رسوم و شعائر دین دین کی بے حرمتی کا صرف آپ کے نقطۂ نظر سے صرف ایک ہی مداوا ہے، مواعظ، درس، تزکیہ باطن اور بیعت و سلوک سے سید صاحب کا خیال تھا کہ متذکرہ دینی خرابیوں کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اسلام جیسی قوت و عظمت کا حامل ہے اس کی بحالی ضروری ہے۔ ان تمام آزار، مصائب و امراض کا مقابلہ قوت ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی قانون، تعزیرات، حدود شرعیہ، اس نظام شرعی کے بغیر جس کی پشت پر قوت ہو۔ مسلمانوں کی زندگی معاشرت اور ثقافت میں باقاعدگی اور معنویت پیدا نہیں ہو سکتی، جب تک قوت کو کام میں نہ لایا جائے بغیر قوت کے دین پر پابندی بھی امر محالات سے ہے۔ حد یہ ہے کہ سید صاحب اس خیال کے سختی کے ساتھ حامی و پابند تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت بھی بغیر قوت و شوکت کے نہیں ہو سکتی۔ اسلام، اسلامی ثقافت اور معاشرے کے غلبہ و اشاعت میں بھی ان کا اصرار تھا کہ قوت و عزت و غلبہ کی ضرورت ہے۔

سکھوں کے مظالم جب حدِ کمال تک پہنچ گئے تو ان کا قاعدہ تھا کہ مکان پر بجائے مراقبہ و مشاہدہ فضیلت

بقیہ: صفحہ ۲۰ پر

© rasailojaraid.com